عالم اسلام میں استشراقی اثر ونفوذ: ایک تحقیقی مطالعہ

•ڈاکٹر شہباز منج

It is an undeniable fact that Orientalists, in general, did not present an objective study of Islam. Due to their specific objectives, they used to portray an unreal and corrupted picture of Islam. They have tried as much as possible to motivate the Muslims, stressing that this is the very requirement of the age, to harmonize Islam with the modern Western view point. This effort of orientalists has not gone in vain. Their approach and thinking penetrated in the conscious, spirit and thoughts of so many people of the Muslim world. Amongst the Muslims there came forward a number of people who urged upon their nations to be Westernize in every respect. There developed a hatred for Islamic teachings and commandments or was tried to interpret Islam in accordance with the western standards possibly. These people began to mold and modify every creed and commandment of Islam which in its original form seemed not be compatible with the modern western or westernized mind. Thus according to Cantwell Smith these apologists disrupted their own and others faith. Dr Rafi-ud-din discussing the desire of Ijtihad of such Muslim scholars has rightly said that it is not the outcome of a love for Islam but factually a concealed hatred for it and covert admiration for other ideologies and an effort to replace Islam by the other ideologies of their liking.

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مستشرقین نے بالعموم اسلام کا معروضی مطالعہ پیش نہیں کیا۔ وہ اپنے مخصوص مقاصد کے لیے اسلام کی غیر حقیقی اور مسخ شدہ تصویر پیش کرتے رہے ہیں۔ ان کی کوشش یہ رہی ہے کہ اسلام کو لوگوں کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ وہ ان کو کوئی غیر معمولی اور خاص وقعت کی چیز محسوس نہ ہو بلکہ اس کے برعکس انسانی ترقی وتمدن کی راہ میں مزاحم دکھائی دے۔ اس سلسلہ میں وہ کئی جہتوں میں کام کرتے اور مختلف نتائج سامنے لاتے ہیں۔ عالم اسلام کے تناظر میں دیکھیں تو ان کی کوشش کا اہم مقصود مسلمانوں کو اپنے دین سے متعلق متشکک ومتردد بنانا، اسلامی اقدار وتہذیب کو مغربی اقدار وتہذیب کے مقابلہ میں کم تر ثابت کرنا اور انہیں یہ باور کرانا ہے کہ وہ مغربی تہذیب واقدار سے بیگانہ اور روایتی اسلام، جس میں دقیانوسیت اور بہت سے نقائص ہیں، سے چمٹے رہ کر دنیا میں ترقی وعروج حاصل نہیں کر سکتے۔

اس مقالہ میں ہمارے پیش نگاہ مستشرقین کی مذکورہ مقصد کے حوالے سے کاوشوں اور ان کے نتائج کا مطالعہ ہے۔

• لیکچرر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

مذکورہ تناظر میں استشراقی مساعی کی نوعیتیں:

موضوع زیر بحث کے حوالے سے مستشرقین کی کوششیں کئی نوعیت کی ہیں۔ کبھی وہ اسلام سے متعلق ایسا مواد فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اہل اسلام میں روایتی اسلامی عقائد و تصورات سے متعلق شکوک وشبہات اور بیزاری و نفرت پیدا کرے، کبھی وہ تجدد کی طرف بلاتے اور جدید تصورات و نظریات اپنانے کو مسلمانوں کی ترقی و کامیابی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور کبھی اسلامی تہذیب و تاریخ کی تحقیر کرتے ہیں۔ سطور ذیل میں مستشرقین کی ان مساعی کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

اساسی اسلامی عقائد پر نقد:

مستشرقین اسلام کے اساسی عقائد و تصورات کو جدید افکار و نظریات کے تناظر میں اس طرح سے ہدف تنقید بناتے اور ایسے نتائج سامنے لاتے ہیں کہ سطحی دینی علم کے حامل مسلمان ان عقائد و تصورات سے متعلق طرح طرح کے شکوک وشبہات اور تحفظات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً وہ وحی پر کلام کرتے ہوئے کبھی اسے عقل و تجربے کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (۱) کبھی اس کی محض اسی صورت کو قابل قبول گردانتے ہیں جس میں کوئی چیز عقل سے ماورا نہ ہو۔ (۲) کبھی حضور علیہ پر نزول وحی کی تعبیر (نعوذ باللہ) مرگی کے دوروں سے کرتے ہیں۔ (۳) اور کبھی اسے آپؐ کے زمانے کے حالات کے فطری ردعمل اور آپ کی داخلی کیفیت سے تعبیر کرتے ہوئے اس کے خارج سے نزول کی نفی کرتے ہیں۔ (۴) معجزات پر بحث کرتے ہوئے انہیں قدیم غیر متمدن قوموں کی جہالت و وہم پرستی اور لاعلمی سے تعبیر کرتے، (۵) انہیں خلاف قانون قدرت، (۶) ناممکن الوقوع (۷) اور سائنسی نقطہ نظر سے غلط بتاتے، (۸) اور بائبل (۹) اور قرآن (۱۰) میں معجزات کے مذکور ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اسے حضورؐ کا اپنا کلام کہتے، (۱۱) قصص قرآنی کو بائبل کی روایات پر منحصر قرار دیتے، (۱۲) قرآن کو حضورؐ کے الہامات کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھیوں کے جمع کردہ (۱۳) نامکمل مواد (۱۴) کا نام دیتے، ناسخ ومنسوخ پر معترض ہوتے (۱۵) اور اعجاز القرآن کا انکار کرتے ہیں۔ (۱۶) حدیث پر تنقید کرتے ہوئے ذخیرۂ احادیث کو جعلی و فرضی اور پیغمبر اسلام اور آپؐ کے عہد سے متعلق معلومات کا ناقابل اعتبار ماخذ قرار دیتے ہیں۔ (۱۷) سیرت طیبہ پر لکھتے ہوئے حضورؐ کے اخلاق و کردار کو ہدف تنقید بناتے، (۱۸) آپؐ کے پیغام کی بسرعت اشاعت اور آپؐ کی غیر معمولی کامیابیوں کو اللہ کی مدد اور آپ کی حقانیت پر محمول کرنے کی بجائے

وقت کا تقاضا اور حالات کی سازگاری کا نتیجہ قرار دیتے،(۱۹) تعددِ ازواج کے حوالے سے آپؐ کی سیرتِ بے داغ پر دھبے ظاہر کرنے کی کوشش کرتے (۲۰) اور آپ پر تشدد پسندی اور دین اسلام کو بزورِ شمشیر قائم کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔(۲۱) معاد اور جنت و دوزخ سے متعلق اسلامی تصورات کو، یہودیت و عیسائیت وغیرہ مذاہب سے اخذ کر کے، بے آب و گیاہ اور بنجر زمین کے باسی عربوں کو متاثر کرنے کی غرض سے مادی و حسی صورتوں میں پیش کیے گئے تصورات قرار دیتے ہیں۔(۲۲) جہاد کو عربوں کے ہاں مروج ڈاکہ زنی کے عمل کا تبدیل شدہ نام (۲۳) اور اسلام کی ترقی اور اشاعت کو تلوار پر منحصر بتاتے ہیں۔(۲۴) اسلامی قانونِ تعددِ ازواج کو اسلام کی اختراع کہتے (۲۵) اور اس سے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے اور افسانے تراشتے ہیں۔(۲۶) اسلامی قانون کو غیر عقلی، قدیم عربی روایات پر مبنی اور جادوئی و افسانوی قرار دیتے (۲۷) اور اسلامی سزاؤں کو غیر ضروری طور پر سخت ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔(۲۸) کتبِ مقدسہ کے نظریہ تخلیق انسانی کو مسترد کرتے ہوئے انسانی ارتقاء کا ایسا تصور پیش کرتے ہیں جس میں کسی خدائی منصوبے کو کوئی دخل حاصل نہیں۔(۲۹)

دعوتِ تجدد و اصلاحِ مذہب:

مستشرقین اہل اسلام کو تجدد و مغربیت اور اصلاحِ مذہب کی دعوت دیتے اور انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی فلاح و ترقی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ وہ جدید مغربی تہذیب اپنائیں اور اپنے مذہب کو نئے حالات کے مطابق ڈھالیں۔ان کے نزدیک مسلم معاشروں میں اٹھنے والی ایسی تحریکیں اور اشخاص حوصلہ افزائی اور تعریف و ستائش کے مستحق ہیں جو اسلام کو دورِ جدید کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔مذکورہ استشراقی کاوش کی وضاحت کے لیے چند مستشرقین کے خیالات ملاحظہ ہوں:

یہ ثابت کرنے کے لیے کہ نئے زمانے کا ساتھ دینے کے لیے اسلام کو اپنی روح میں تبدیلی پیدا کرنا لازم ہے، CraggKenneth لکھتا ہے:

> "The modern mind is right in its instinctive awareness that Islam must either baptize change into its spirit or renounce its own relevance to life.Since it cannot do the later it must somehow do the former."(30)

Cragg محمد کامل حسین کو اس بنا پر داد دیتا ہے کہ اس نے اس بات پر اصرار کیا کہ خود اسلام ہی سے اسلام کا غیر معتبر ہونا ثابت ہوتا ہے۔(۳۱) وہ ایک اور مقام پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ مسلمان وقت کے مطابق اسلامی احکامات میں از خود تبدیلی کرتے رہے ہیں جس سے ایک طرف یہ بات واضح ہوتی

ہے کہ اسلام کوئی مستقل دین نہیں تو دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام کو ضرورت کے تحت تبدیل کیا جاسکتا ہے۔(۳۲)

فلپ کے ہٹی کے مطابق تعدد ازواج، چوری، جوا اور شراب وغیرہ سے متعلق اسلامی قوانین اور سزائیں جدید اسلامی سوسائٹی میں قابل عمل نہیں۔ یہی سبب ہے کہ آج مسلم معاشرے میں ان کو درخور اعتناء نہیں سمجھا جاتا۔ وہ کہتا ہے:

> "Modern Islamic society has practically outgrown the Koranic legislation."(33)

کینٹویل اسمتھ مصطفیٰ کمال کی اصلاحات کی تحسین کرتے ہوئے دوسرے مسلمانوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ترکوں نے بجا طور پر محسوس کیا کہ اسلام اپنے وقت پر پروگریسو تھا مگر اب نہیں۔ اب اسلام اور کسی بھی دوسرے مذہب کو زندہ رہنے کے لیے جدید تعلیم یافتہ انسان کے لیے قابل فہم ہونا چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو نئے حالات کے مطابق ڈھالے۔ سمتھ کے نزدیک ایسی اصلاحات کا مطلب عیسائی بننا نہیں بلکہ ماڈرن بننا ہے۔(۳۴) سمتھ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کا حل سیکولرازم کو بتاتا ہے۔ وہ کانگرسی مسلمانوں کی تعریف کرتا اور تخلیق پاکستان کو ایک برائی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ پاکستان جتنا زیادہ 'اسلامی' ہوگا ہندوستانی مسلمان اتنے ہی زیادہ غیر محفوظ ہوتے جائیں گے۔(۳۵)

S.D.Goitein کا کہنا ہے کہ قرآن جدید سوسائٹی کی ضرورت کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ وہ اسلام کو یہودیت سے مستعار بتاتا اور عربوں کو مقامی زبانیں اپنانے کا مشورہ دیتا ہے۔(۳۶)

یہودی مستشرق Nadve Safran اسلام کو ناقابل عمل اور غیر حقیقی قرار دیتا ہے۔ وہ رشید رضا کی خلافت سے متعلق کتاب پر گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ رشید رضا کو مسلمانوں کے سابقہ تجربات سے کچھ سبق نہ مل سکا۔(۳۷) وہ مصری قومیت پسند سید لطفی سے اظہار ہمدردی کرتا ہے جو تجدد کا بہت بڑا نقیب اور اسلام کی بجائے فرعونیوں کی تقلید پر ابھارنے اور مصر میں نئے معتقدات اختیار کرنے اور پرانے اسلامی تصورات کو چھوڑنے کی ضرورت پر زور دینے والا تھا۔(۳۸)

الغرض مستشرقین سرتوڑ کوشش کرتے ہیں کہ اہل اسلام کو اپنے مذہب کو گردش زمانہ کے مطابق بدلنے اور مغربی تہذیب اور افکار و نظریات اپنانے پر مائل کیا جائے۔ یہاں تک کہ بعض یونیورسٹیوں کے ذمہ باقاعدہ طور پر ایسے اسلامسٹ تیار کرنے کا کام لگایا گیا ہے جو اسلام سے متعلق جدید افکار کے حوالے سے

سمجھوتے کی فضا پیدا کریں۔(۳۹)

اسلامی تاریخ وتہذیب کی تحقیر:

مستشرقین اسلامی تاریخ وتہذیب سے متعلق متعصّبانہ (۴۰) اندازِ نظر اختیار کرتے ہوئے ان کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کرتے اور ان کی تحقیر کرتے ہیں۔وہ اسلامی تاریخی واقعات کی خلافِ حقیقت توجیہات پیش کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کا ظہور وفروغ عالمِ انسانیت اور بالخصوص عیسائیت کے لیے فالِ بد ثابت ہوا۔اسلام شروع ہی سے یہودیوں اور عیسائیوں کا دشمن بن گیا اور مسلمانوں نے ہمیشہ جارحیت کا ارتکاب کیا۔مثلاً Thomas Wright ابرہہ کے حملے کے دو ماہ بعد حضورؐ کی پیدائش کو عیسائیوں کے لیے بدترین آفت قرار دیتے ہوئے آپ کو مسیحیوں کا سب سے بڑا دشمن گردانتا ہے۔(۴۱) فلپ کے ہٹی الزام لگاتا ہے کہ حضورؐ نے موتہ کی جنگ شروع کر کے اسلام اور عیسائیت میں طویل جنگ کی بنیاد رکھی۔(۴۲) اسلامی تہذیب کی قدر ومنزلت کو گھٹانے اور اس کی تحقیر کرنے اور عرب مسلمانوں کے تمدنی محاسن کے استخفاف کی خاطر مستشرقین اپنے طلبہ کو تربیت دیتے ہیں کہ وہ تہذیبی وثقافتی مظاہر کو عربی الاصل ثابت کرنے کی بجائے لاطینی الاصل ثابت کریں تا کہ علم وفکر کے رشتے اور عقیدت ومحبت کے جذبات مسلمانوں سے کٹ کر قدیم لاطینی اور یونانی اقوام کے ساتھ منسلک ہو جائیں۔(۴۳) وہ اسلامی تہذیب اپنانے والوں کو تو رجعت پسندی اور دقیانوسیت کے طعنے دیتے ہیں لیکن اس کے برعکس اسلامی تہذیب سے قدیم تر تہاذیب، جو زندگی کی صلاحیت اور ہر طرح کی افادیت سے محروم اور سینکڑوں ہزاروں برس سے ماضی کے ملبے تلے دبی ہیں، کے احیا کی دعوت دیتے ہیں۔وہ مسلمانوں کو قرآن اور اسلامی علمی ذخیرے سے لاتعلق بنانے کے لیے نئے زمانے کے تقاضوں کا واسطہ دے کر قرآنی عربی زبان اور عربی رسم الخط کی بجائے مقامی زبانوں اور لاطینی رسم الخط اپنانے پر مائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔(۴۴)

عالم اسلام میں استشر اقی اثر ونفوذ:

مستشرقین کو اپنی متذکرہ صدر مساعی سے جو مقاصد مطلوب تھے ان میں وہ خاصی حد تک کامیاب رہے۔عالم اسلام میں اصلاح وترقی کے نام پر تجدد ومغربیت کے جتنے علمبردار پیدا ہوئے ان کے افکار و نظریات پر استشر اقی چھاپ واضح دکھائی دیتی ہے۔مسلم دنیا میں اہل اقتدار اور طبقہ امراء کے علاوہ مسلم سکالرز اور دانشوروں کی بھی ایک بڑی تعداد مستشرقین سے متاثر ہے۔سطور ذیل میں مذکورہ طبقوں میں

استشراقی اثر ونفوذ کا مطالعہ مختلف عنوانات کے تحت پیش کیا جاتا ہے۔

اہل اقتدار اور طبقۂ امراء:

عالم اسلام میں جہاں تک اہل اقتدار اور طبقہ امراء کا تعلق ہے یہ بالعموم مغرب کے زیر اثر ہے۔ یہ لوگ بقول مریم جمیلہ اکثر و بیشتر اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اصلی اسلام کی بجائے مستشرقین اور عیسائی مشنریوں کا لندن اور امریکہ میں تیار کردہ اسلام کا ایک جدید، لبرل اور ترقی پسند ایڈیشن پیش کیا جائے۔(۴۵) مسلم معاشروں میں مغربی طرز پر اصلاح و ترقی کے خواہاں زعما اور حکمرانوں نے اپنے معاشروں کو مغربی رنگ میں رنگنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ ترکی کے قوم پرست لیڈر ضیاء گوک الپ پر مغربی اور ملحدانہ اثرات اتنے گہرے تھے کہ وہ کسی بھی قسم کی اچھائی اور برائی کی تمیز کے لیے یورپ کی مکمل نقل کا خواہاں تھا۔ اس نے عالمگیر اخوتِ اسلامی کے تصور کو مغربی تصورِ قومیت سے متصادم قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ترکوں کو اپنی سرزمین کو ہر چیز پر مقدم رکھنا چاہیے۔ ان کے لیے حب الوطنی سے بڑھ کر کوئی اخلاقیات نہیں۔(۴۶) مصطفیٰ کمال اتاترک، جو عالمِ اسلام کے طبقہ امراء و زعما میں بالعموم ایک آئیڈیل باور کیا گیا ہے، ترکی میں تجدد و مغربیت کا سب سے بڑا نقیب تھا۔ اس نے حصول اقتدار کے بعد اسلام کو ترکوں کی عملی زندگی سے بے دخل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اس کے خیال میں ترکی کی ترقی اس وقت ممکن نہ تھی جب تک اسلام کے اثر ونفوذ کو بالکل ختم نہ کر دیا جاتا۔ اس کے خیالات میں اسلام سے متعلق نفرت وحقارت بہت نمایاں ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے:

> "Islam- This theology of an immoral Arab is a dead thing. Possibly it might have suitable to the tribes in the desert. It is no good for a modern, progressive state. God's revelation! There is no God!There are only the chains by which the priests and bad rulers bound the people down."(47)

چنانچہ مصطفیٰ کمال نے ترکی کو خدا کی بجائے مغربی تہذیب کی شکل میں ایک دیوتا عطا کیا۔ اس دیوتا کا وہ خود بھی وفادار حواری اور پرجوش پجاری تھا۔ وہ مغربی تہذیب کو ملک کے چپے چپے میں رائج دیکھنے کا تمنائی تھا۔ اس تہذیب کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آنکھوں چمک اور اس کے چہرے کی طمانیت دیدنی ہوتی۔(۴۸) وہ کہا کرتا کہ عالم اسلام کی کم نصیبی اور پسماندگی کی اصل وجہ خود کو نئی، روشن اور بلند پایہ مغربی تہذیب میں فٹ نہ کر سکنا ہے۔ ہم جو اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہوئے ہیں تو اسی باعث کہ اب ہماری ذہنیت بدل رہی ہے۔(۴۹) لہٰذا اس نے ترکی کو سیکولر سٹیٹ قرار دے دیا۔ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ قرار پایا۔ خلافت کا

ادارہ ختم کر دیا گیا۔ شرعی اداروں اور محکموں اور اسلامی شریعت کو ملک سے بے دخل کر کے مغربی قوانین نافذ کر دیے گئے۔ ہر وہ چیز جس کا کوئی تعلق اسلام سے بنتا تھا حرف غلط کی طرح مٹا ڈالی گئی۔ عربی کی جگہ لاطینی رسم الخط جاری کر دیا گیا۔ اور تو اور عربی میں اذان تک ممنوع قرار پا گئی۔ مختصر یہ کہ ترکی قوم اور حکومت کی دینی اساس کو تھوڑ پھوڑ کر ختم کر دیا گیا اور قوم کا نقطہ نظر یکسر بدل ڈالا گیا۔(۵۰)

استشراقی فکر نے صرف ضیاء گوک الپ اور مصطفیٰ کمال یا دیگر ترک زعما ہی کو اپنی گرفت میں نہیں لیا بلکہ اس کے اثرات تقریباً عالم اسلام کے تمام اعلیٰ تعلیم یافتہ، مقتدر اور صاحب اختیار طبقہ تک ممتد دکھائی دیتے ہیں۔ عالم اسلام میں جہاں بھی کوئی ملکی تعمیر و ترقی کے لیے اٹھتا ہے، بالعموم تجدد و مغربیت اور کمالی طرز کی اصلاحات ہی کو مقصود و منتہا سمجھتا ہے۔ ۱۹۵۲ء کا مصری انقلاب اپنی بنیادوں میں مغربی زاویہ نگاہ لیے ہوئے آیا۔ اس کا مقصد جمال عبدالناصر کے خیال میں یہ تھا مصری عربی معاشرہ ایک ایسی سوسائٹی میں بدل جائے جس کے افراد اپنے اجتماعی تعلقات، اخلاقی قدروں اور حقوق وغیرہ سے متعلق ایسا نقطہ نظر اختیار کریں جو جدید فکر سے ہم آہنگ ہو۔ صدر ناصر کے پیش کردہ منشور سے اگر مصر اور عرب لفظ نکال دیں تو وہ کسی بھی سیکولر سوشلسٹ سٹیٹ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ رضا شاہ پہلوی نے اپنے زمانے میں ایران کو بھی ترکی کے نقش قدم پر مغربیت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوششیں کیں۔ وہ ایران سے مذہبی رجحان کو پوری طرح مٹانا اور اسلامی تشخص کو ختم کرنا چاہتا تھا تاہم اس کی متشددانہ پالیسیاں ۱۹۷۹ء کے شیعی اسلامی انقلاب پر منتج ہوئیں اور شاہ کو ملک چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ انڈونیشیا میں صدر احمد سوئیکارنو کی رہنمائی میں بھی حکمران طبقے نے ملک کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ترکی کے نقش قدم پر لے جانے کی کوشش کی۔ انڈونیشیا میں اگرچہ مغربیت کے خلاف ردعمل بھی ظاہر ہوتا رہا اور اسلامی تحریکیں اٹھتی رہیں تاہم متجددانہ سرگرمیاں ہنوز جاری ہیں۔ تیونس میں حبیب بورقیبہ نے ۱۹۵۷ء میں صدارت کا عہدہ سنبھالتے ہی کمالی اصلاحات اور تجدد کا آغاز کر دیا۔ تیونسی صدر مسیحی مشنریوں اور مستشرقین کے خیالات سے حد درجہ متاثر ہوا۔ اس نے قرآن میں تضادات ثابت کرنے کی کوشش کی اور قرآنی قصوں کو خرافات کا مجموعہ قرار دیا۔ الجزائر کے ۱۹۶۳ء میں منتخب ہونے والے صدر احمد بن بلا جمال عبدالناصر کے دوستوں اور ہم خیالوں میں سے تھے۔ انہوں نے صدر ناصر ہی کی طرز پر دینی ذہن کو محدود اور حکومت سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ صدر کرنل معمر قذافی نے ۱۹۶۹ء میں زمام اقتدار سنبھالی اور بعض شرعی حدود کا نفاذ کیا تو مغربی پریس میں ان کو ایک کٹر مذہبی شخصیت کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔ مستشرقین سے رابطہ کی بنا پر ان کا انقلابی دائرہ فکر سیاست سے ہٹ کر دینی فکر میں

انقلاب تک وسیع ہو گیا۔ انہوں نے یہ تصور قائم کرلیا کہ وہ اسلام جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، اس انقلابی عہد کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ چنانچہ انہوں نے اسلام کو اپنے انقلابی ذہن کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ وہ اسلام کو عبادت تک محدود کر دینا چاہتے تھے۔ عبادت اور عام زندگی کے بارے میں ان کا تصور تیونسی صدر حبیب بورقیبہ سے بہت قریب ہے۔ حبیب بورقیبہ نے قرآن کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا۔ معمر قذافی نے حدیث کو تختہ مشق بناتے ہوئے اسے مشکوک اور ناقابل اعتماد ثابت کرنے کی کوشش کی۔ الغرض قذافی بھی پورے زور شور سے تجدد ومغربیت کے راستے پر ہو لیے۔ (۵۱) لحہ موجود تک تمام مسلم قیادت تجدد ومغربیت ہی کو کامیابی وکامرانی کا واحد راستہ سمجھتی ہے اور اس کلیے میں شاید ہی کوئی استثنا نظر آئے۔

جدید تعلیم یافتہ دانشور اور سکالرز:

مسلم دنیا کے جدید تعلیم یافتہ دانشور اور سکالرز کی بھی ایک قابل لحاظ تعداد مستشرقین کے زیر اثر ہے۔ ان میں ایک بڑی تعداد نے یورپ کی یونیورسٹیوں میں مغربی اساتذہ سے زانوئے تلمذ طے کیا اور اپنے اساتذہ کے تصورات ونظریات اپنا لیے۔ (۵۲) ان کے نزدیک بھی مسلمانوں کی ترقی وکامرانی تجدد ومغربیت کے بغیر ممکن نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حضورؐ اور خلافت راشدہ کے زمانے تک اسلام ایک لبرل، ترقی پسند اور عقلیت پسند مذہب تھا لیکن بعد میں فقہا اور ملاؤں نے اسے جامد اور متحجر دین بنا دیا۔ چنانچہ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ نام نہاد علماء ومفسرین ہی ہماری تمام تر حرماں نصیبی اور پسماندگی کا اصل سبب ہیں۔ ایک دانشور نے لکھا ہے کہ سعودی عرب سے لے کر موریطانیہ تک اور انڈونیشیا سے لے کر پاکستان تک ہر مسلم ملک میں اہل اسلام زیست کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ملا مسلمانوں کے تنزل وادبار کو مغربی اثرات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ جہاں تک ہنوز مغربی اثرات نہیں پہنچے، وہاں اب بھی اسلام کی گھناؤنی تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔ کیا اس بات سے انکار کی کوئی معقول وجہ ہے کہ سب سے پسماندہ ممالک وہ نہیں جہاں یورپی تہذیب کی بادنسیم کے جھونکے نہیں پہنچے بلکہ بدنصیب وہ بلاد وامصار ہیں جہاں زمام اقتدار ملاؤں کے ہاتھ میں ہے۔ انہی کور چشموں کے سبب اسلام جمود کا شکار رہا اور اسے وقت کے مطابق ڈھلنے سے روکا جاتا رہا۔ عالم اسلام کو نحوستوں اور لعنتوں سے نجات دلانے کے لیے ہمیں قرآن کی ان روایتی تعبیرات کو بھول جانا ہوگا جو راسخ العقیدہ ملاؤں نے صدیوں سے مسلط کر رکھی ہیں۔ جس دن ہم اپنے طور پر قرآن کو سمجھنے میں کامیاب ہو گئے اس دن ہم اسلام کو بچانے نیز عورتوں کو چودہ سو سال کی محرومی وبدنصیبی سے نکال کر

آزادی و مساوات کی روشنی میں لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لوگ مجبوری کی بنا پر نہیں بلکہ محبت و مسرت سے مذہب پر عمل کریں گے۔ زندگی سے اکتاہٹ اور بوریت ختم ہو جائے گی۔ نماز بھی ہو گی اور کھیل تماشا بھی۔ یوں ہم ایک دل پسند ہیرے کی طرح اسلام کی خوبصورت تعبیر ملاحظہ کر سکیں گے۔(۵۳) جدید تعلیم یافتہ دانشور اور سکالرز مستشرقین کی ہمنوائی میں اس تصور کے حامی ہو گئے کہ ترقی و تبدیلی، جو کہ قانون ارتقاء کا جزو لاینفک ہے، کو اسلام پر بھی لاگو ہونا چاہیے اور قدیم اسلام کی جگہ ایک جدید لبرل اسلام سامنے آنا چاہیے:

"Just as the Martin Luther broke down the barriers of dogma in Christianity and Moses Mendelssohn sought to bring a progressive reformed version of Judaism to the Jews, so liberal Islam must also be recognized and given its place the Orthodox."(54)

مصر کے معروف دانشور اور سکالر ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے مصریوں کو مغربی تہذیب اپنانے کی پرزور دعوت دی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مصری زندگی اپنے مظاہر کے اختلاف کے ساتھ خالص مغربی ہے۔ لہذا مصر کو مشرق کا حصہ اور مصری فکر کو ہندوستان یا چین کی طرح مشرقی فکر کہنا کم عقلی اور سطحیت ہے۔ ہمیں اہل یورپ کے طریقہ پر چلنا چاہیے اور انہی کی سیرت و عادات کو اختیار کرنا چاہیے۔ درحقیقت عصر حاضر میں ہمیں یورپ سے ایسا رابطہ اور قرب چاہیے جو روز بروز بڑھتا رہے یہاں تک کہ ہم لفظ اور معنی حقیقت اور شکل ہر اعتبار یورپ کا ایک حصہ بن جائیں۔(۵۵) ڈاکٹر طٰہٰ حسین عربی ادب کو دینی علوم کے تعلق سے یکسر آزاد کر دینے کے حامی ہیں۔ وہ اس سلسلہ میں تحقیق پر، قومی احساسات اور مذہبی رجحانات و میلانات کو بالائے طاق رکھ کر ،اس فلسفیانہ طریقہ کا اطلاق کرنا چاہتے ہیں جس کی ابتدا ڈیکارٹ نے کی تھی۔(۵۶) ڈاکٹر صاحب اس بات سے انکاری ہیں کہ کعبہ کی بنیاد ابراہیم اور اسمٰعیل علیہم السلام نے رکھی تھی، بلکہ ان کے نزدیک یہ دونوں شخصیتیں کوئی تاریخی وجود ہی نہیں رکھتیں۔ آپ کے خیال میں قرآن کی سات مشہور قرائتیں بھی حضورؐ سے ماخوذ نہیں ہیں۔(۵۷)

پاکستانی سکالر اور دانشور ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے نزدیک مسلمانوں کو مغربیت اختیار کرنے میں کچھ مذائقہ نہیں۔ مغربی تہذیب اپنانے کے باوجود مسلمان مکمل مسلمان رہ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے بعض مسلم اور غیر مسلم اسلام کو ایک مخصوص طرز زندگی سمجھتے ہیں جس میں مشکل ہی سے کوئی تبدیلی ممکن ہے حالانکہ اسلام کے بہت سے غیر مسلم طالب علم مثلاً پروفیسر گستاف اے وان گرونیبام کے نزدیک اسلام دراصل کسی تہذیب و ثقافت کا نام نہیں بلکہ قرآن و سنت کے فراہم کردہ کچھ اصول و ضوابط کا نام ہے جس میں وقت اور ضروریات

سے توافق وتطابق کی گنجائش پائی جاتی ہے۔(۵۸) ڈاکٹر فضل الرحمٰن قرآن میں بیان کردہ قصص انبیاء کی تفصیلات کو بعینہ وحی خداوندی ماننا ضروری خیال نہیں کرتے۔(۵۹) ان کے مطابق مسلمانوں میں پانچ نمازوں کا تصور حدیث کی بعد میں اٹھنے والی لہر کا نتیجہ ہے جبکہ قرآن میں یہ کہیں مذکور نہیں۔(۶۰)

چونکہ حدیث اور جدید مغربی تہذیب کو یکجا کرنا ممکن نہیں اور بقول علامہ محمد اسد حدیث کو نظرانداز کر کے قرآنی تعلیمات کو آسانی سے مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے۔(۶۱) لہٰذا حدیث پر اعتراض جدید تعلیم یافتہ مسلم دانشوروں کے ہاں ایک فیشن بن گیا۔ وہ بڑے زور وشور سے حدیث کو ناقابل اعتبار روایات پر مبنی اور اسلام کا غیر ضروری حصہ قرار دینے لگے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے نزدیک حدیث ایک تاریخی افسانہ ہے جس کا مواد مختلف ذرائع سے اکٹھا کیا گیا۔(۶۲) سنت محض ابتدائی مسلم سوسائٹی کی عملی زندگی کا لفظی اظہار ہے اور ایک زندہ معاشرے کے طرز عمل میں وقت کے ساتھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ بنابریں حدیث کوئی دائمی نمونہ عمل نہیں۔(۶۳) غلام احمد پرویز بھی احادیث کو فرضی اور ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق آج احادیث کے نام سے ہمیں جو کچھ ملتا ہے یہ محض مسلمانوں میں مروج باتیں تھیں جن کو غلط طور پر حضور کی جانب منسوب کیا جاتا تھا۔ بعد ازاں امام بخاری اور دیگر حضرات نے ان باتوں کو جمع کر کے کتبِ احادیث کی شکل دے دی۔(۶۴) مستشرقین سے متاثر ہو کر اور بھی متعدد مسلم دانشوروں نے حدیث کا انکار کیا ہے۔(۶۵)

مفسرین اور ان کے متبعین:

عالم اسلام میں تفسیر قرآن کے باب میں بھی استشراقی اثرات نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ بہت سے مسلم اہل تفسیر نے اپنی تعبیراتِ قرآنی کو استشراقی نتائج فکر سے ہم آہنگ کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ ان معروف اہل تفسیر کے بہت سے عقیدت مندوں اور متبعین نے بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور وہی طرز تفسیر اپناتے ہوئے استشراقی تصورات سے تطابق کی سعی کی ہے۔ اس سلسلہ میں دنیائے اسلام کے دو نمایاں ترین افراد یعنی مفتی محمد عبدہ اور سر سید احمد خاں اور ان کے متبعین اور حلقہ فکر کے لوگوں کے تفسیری نکات کا مختصر تذکرہ ضروری آگہی کے لیے کفایت کرے گا۔

عالم عرب میں تجدد کا علم بلند کرنے والوں میں سب سے نمایاں نام مفتی محمد عبدہ کا ہے اور یہ کہنا بجا ہے کہ وہاں تجدد پسند مکتب خیال کا وجود ہی ان کا مرہون منت ہے۔(۶۶) انہوں نے جدید تصورات سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے قرآنی آیات میں تاویلی امکانات کو نہایت وسیع کر دیا۔ ان کے نزدیک جنات

سے جراثیم یا مائیکروب (۶۷) اور آدم سے ہر نسل کا الگ مورثِ اعلیٰ (۶۸) مراد لینے میں کچھ مذائقہ نہیں۔ وہ سورہ العصر کی آیت ۳ کی تفسیر میں 'صالحات' کے تصور کو آفاقیت کا رنگ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ صرف حاملانِ شریعت تک ہی محدود نہیں بلکہ ان اقوام تک بھی ممتد ہے جن میں پیغمبر نہیں آئے اور یہی وہ چیز ہے جسے قرآن 'معروف' سے تعبیر کرتا ہے۔ (۶۹) گویا صالح ہونے کے لیے مسلمان ہونا ضروری نہیں۔ مفتی صاحب نے سورہ الفیل میں لشکر ابرہہ کی تباہی کے خارق عادت واقعہ کو عقلیت پسندوں کے لیے قابل قبول بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ہے کہ عین ممکن ہے کہ جن سنگریزوں سے لشکر ابرہہ کی تباہی ہوئی وہ زہریلی خشک مٹی کے ہوں اور ہوا کے ذریعہ یہ مٹی اڑ کر پرندوں کے پاؤں سے چمٹ گئی ہو اور پھر جب یہ مٹی لشکر کے افراد پر گری ہو تو ان کے مساموں داخل ہو کر آبلے ڈال دیے ہوں اور یوں اعضائے جسمانی سے گوشت جھڑنے لگا ہو۔ (۷۰) مفتی محمد عبدہ کے نظریات بقول Malcolm H. Kerr آئندہ آنے والے اعتذاری مکتبہ خیال کے افراد کے لیے بنیاد کا کام دینے لگے۔ (۷۱) مصنف مذکور نے حاشیہ میں تصریح کی ہے کہ مفتی کے عقائد و تصورات کو بعد ازاں ان کے شاگرد مکمل لادینیت اور سیکولرازم کی طرف لے گئے۔ (۷۲) مفتی صاحب کے ایک نامور شاگرد محمد رشید رضا ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن بنیادی طور پر ایک روحانی کتاب ہے جس میں دنیوی امور سے متعلق بہت کم احکام ملتے ہیں۔ زیادہ تر اختیارات 'اولی الامر' کے سپرد کر دیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام بہبود عامہ کو پیش نظر رکھ کر فیصلے کیا کرتے تھے۔ گو بعض اوقات ان کے فیصلے سنت کے خلاف بھی ہوتے۔ گویا ان کا عقیدہ یہ تھا کہ شرعی تفصیلات کی بجا آوری ضروری نہیں اور بنیادی مصلحت فلاح عامہ کی رعایت ہے۔ (۷۳) رشید رضا کے نزدیک احادیث بھی بحیثیت مجموعی قابل اعتنا نہیں بلکہ صرف وہی احادیث قابل قبول ہیں جو عملی نوعیت کی ہیں اور جن پر امت مسلمہ میں مسلسل عمل کا ثبوت ملتا ہے۔ (۷۴) معجزات سے متعلق رشید رضا کی رائے تھی کہ اب معجزات کا زمانہ گزر گیا۔ یہ اس وقت کا قصہ ہیں جب انسانیت ابھی عہد طفولیت میں تھی۔ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی انسان ذہنی بلوغ کے زمانے میں داخل ہو گیا اور معجزات کا زمانہ جاتا رہا۔ ان کے معجزات و خوارق کو عقلی رنگ دینے کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ سورہ یوسف کی آیت ۹۴ کی تفسیر میں خوشبوئے یوسف کے معجزانہ تصور کو قابل التفات نہ سمجھتے ہوئے موقف اختیار کرتے ہیں کہ صاف اور سیدھی سی بات ہی کہ یہ کوئی جنت کی خوشبو نہ تھی بلکہ قمیض کی یہ بو یوسف کے جسم کی بو تھی جیسی کہ بالعموم ہوتی ہے۔ (۷۵) مفتی محمد عبدہ کے ایک اور شاگرد قاسم امین نے آزادئ نسواں کا علم بلند کرتے ہوئے حجاب کے خاتمے اور یورپی اخلاقیات کو اپنانے کی دعوت دی۔ ان کے مطابق مغرب کی

اخلاقیات کو اپنائے بغیر وہاں کی سائنس کو اپنانے کا کچھ فائدہ نہیں۔(۷۶) قاسم امین نے دعوی کیا کہ بے پردگی کی دعوت میں دین اسلام سے کوئی مخالفت نہیں پائی جاتی۔ان کا کہنا تھا کہ شریعت کے وہ احکام جو مروجہ عادات و معاملات پر مبنی ہیں ان میں حالات زمانہ کے مطابق تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔(۷۷) وہ مغربی عورتوں کو اپنی خواتین کے لیے بطور نمونہ پیش کرتے ہوئے ان کی تقلید کی دعوت دیتے ہیں۔(۷۸) مفتی محمد عبدہ کہ ایک اور معروف شاگرد علی عبدالرزاق ہیں۔وہ دین و دنیا کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام کے تمام احکام مذہبی ضابطہ پر مشتمل ہیں جن کا تعلق تمام تر عبادت الٰہی اور نوع انسانی کی مذہبی فلاح و بہبود سے ہے۔ جہاں تک شہری قوانین کا تعلق ہے وہ انسان کی صوابدید پر چھوڑ دیے گئے ہیں اور مذہب کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔دنیاوی انتظام وانصرام کی خاطر خدا نے یہی کافی سمجھا کہ ہمیں ذہن و دماغ عطا کر دیے۔(۷۹) مفتی کے دبستان فکر کے افراد میں سے محمد رفیق صدقی اور شیخ طنطاوی جوہری نے قرآن کو موجودہ سائنس سے ہم آہنگ کرنے کے لیے آیات قرآنی کی نہایت عجیب و غریب تاویلات کی ہیں۔(۸۰)

قرآن کی جس طرز کی متجددانہ تعبیر کی بنیاد عالم عرب میں مفتی محمد عبدہ نے رکھی تھی، برصغیر میں اس طرز کی متجددانہ تفسیر قرآن کے بانی سرسید احمد خاں ہیں۔اہل مغرب اور مستشرقین سے تاثر کے نقطہ نظر سے سرسید عبدہ سے بہت آگے نظر آتے ہیں۔انہوں نے قرآنی بیانات کو جدید تصورات سے ہم آہنگ کرنے کے لیے متفق علیہ تفسیری اصولوں کو بالکل نظرانداز کر دیا۔ان کی 'تفسیر القرآن' میں، بقول سید عبداللہ، روایات سے بغاوت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔(۸۱) انہوں نے ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کی مطابقت کا اصول پیش کیا اور پھر قرآن میں کسی معجزہ یا خوارق کے تذکرہ کے روایتی تصور کو یکسر مسترد کر دیا۔ان کے نزدیک قرآن اور دیگر کتب سماوی میں معجزات کا جو ذکر ہے وہ تمثیلی واستعاراتی یا افسانوی رنگ لیے ہوئے ہے۔ڈاکٹر ٹرول کے مطابق سرسید کو انکار معجزات کی راہ دکھانے میں معجزاتی عناصر پر ولیم میور کی تنقید نے نمایاں حصہ لیا۔میور کی تقلید میں سرسید اس بات کے قائل ہو گئے کہ حضور کی پیدائش سے متعلق بیان کیے جانے والے معجزات سب شاعرانہ تخلیق ہیں۔(۸۲) سرسید نے سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کی تفسیر میں حضور کے معراج جسمانی سے متعلق تمام احادیث کو ناقابل اعتبار اور ان کے بیان کو خلاف قانون قدرت قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "واقعات خلاف قانون فطرت کے وقوع کا ثبوت اگر گواہان روایت بھی گواہی دیں تو محالات سے ہے" اور اس کے بعد تفصیلی بحث کر کے معراج رسول کو خواب میں پیش آنے والا رویا ثابت

کرنے کی کوشش کی ہے۔(۸۳) یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ وہ قرآن میں کہیں بھی معجزہ مذکور ماننے سے انکاری ہیں۔اس سلسلہ میں بنی اسرائیل کے عبور دریا اور موسیٰؑ وعیسیٰؑ کے دیگر معجزات کی بھی انہوں نے عجیب وغریب اور دور از کار تاویلات کی ہیں۔(۸۴)ان کا کہنا ہے کہ حضور کے پاس کوئی معجزہ نہ تھا اور حضورؐ کے پاس کوئی معجزہ نہ ہونے سے ضمناً یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے سابقین میں سے بھی کسی کے پاس کوئی معجزہ نہ تھا۔جن واقعات کو لوگ معروف معنوں میں معجزات کہتے ہیں وہ درحقیقت معجزات نہ تھے بلکہ قانون فطرت کے مطابق وقوع پذیر ہونے والے واقعات تھے۔(۸۵) سرسید کے نزدیک نبوت ایک فطری چیز ہے۔خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکہ نبوت کے جس کو ناموس اکبر یا جبریل اعظم کہا جاتا ہے،کوئی ایلچی یا پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔جس طرح تمام ملکات انسانی کسی محرک کے پیش نظر اپنا کام کرتے ہیں اسی طرح ملکہ نبوت بھی کسی مخصوص امر کے پیش نظر فعال ہو جاتا ہے۔(۸۶) وہ جس طرح جبرئیل کو ملکہ نبوت کہہ کر جبرئیل کے خارجی وجود سے انکار کرتے ہیں ایسے ہی تمام ملائکہ،شیطان اور جنات کا بھی خارجی وجود تسلیم نہیں کرتے۔(۸۷) تخلیق وہبوط آدم سے متعلق آیات کو ڈارونی ارتقائیت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے آدم کے شخصی وجود سے انکار کرتے ہوئے بڑے زوردار الفاظ میں کہا''آدم کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں جس کو عوام اور مسجد کا ملا باوا آدم کہتے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد نوع انسانی ہے۔''(۸۸) سرسید حدیث، اجماع اور قیاس وغیرہ کو اصول دین میں شامل نہیں سمجھتے۔انہوں نے بقول مولانا حالی اپنے جدید علم کلام کا موضوع اور اسلام کا حقیقی مصداق صرف قرآن مجید کو قرار دیا اور اس کے سوا تمام مجموعہ احادیث کو اس دلیل سے کہ ان میں کوئی حدیث مثل قرآن کے قطعی الثبوت نہیں اور تمام علماء ومفسرین کے اقوال وآراء اور تمام فقہاء ومجتہدین کے قیاسات واجتہادات کو اس بنا پر کہ ان کے جوابدہ خود علماء ومفسرین اور فقہاء ومجتہدین ہیں نہ کہ اسلام،اپنی بحث سے خارج کر دیا۔(۸۹) سرسید کے چند اہم معاصر ہم خیالوں اور متبعین میں مولوی چراغ علی، ممتاز علی اور سید امیر علی شامل ہیں۔مولوی چراغ علی کا کہنا ہے قرآن کو کوئی مخصوص ضابطہ حیات یا سماجی وسیاسی قوانین عطا نہیں کرتا۔اس کا تعلق محض فرد کی زندگی کے اخلاقی پہلو سے ہے۔آنحضورؐ نے کوئی سماجی وقانونی ضابطہ مرتب کیا نہ ایسا کرنے کا حکم دیا۔اس کے برعکس مسلمانوں کو ایسے نظام قائم کرنے کی اجازت دے دی گئی جو ان کے گرد وپیش ہونے والی سیاسی اور معاشرتی تبدیلیوں سے،وقت کے تقاضوں کے مطابق ہم آہنگی پیدا کر سکیں۔کلاسیکی اسلامی قانون بنیادی طور پر شریعت نہیں بلکہ وہ رواجی قانون ہے جس کے اندر ایام جاہلیت کے عربی اداروں کے باقی ماندہ اجزاء وعناصر یا وہ احادیث شامل ہیں جو اکثر جعلی ہیں اور غلط طور پر پیغمبر اسلام

کی طرف منسوب کردی گئی ہیں۔(۹۰) فقہا اسلامی قانون کے سلسلہ میں مقصود قرآنی کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں۔انہوں نے قرآن کی روح کو شرعی عمل سے دبا دیا اور وہ ابتدائی مشرقی روایاتی رسمیں جاری کردیں جنہیں قرآن درحقیقت مذموم قرار دے چکا تھا۔(۹۱) سرسید کے ایک اور معاصر پیرو ممتاز علی ہیں۔ممتاز علی نے عورتوں کی آزادی کے مسئلہ کو خصوصیت سے موضوع بحث بنایا۔وہ ان روایتی دلائل کو سختی سے مسترد کرتے ہیں جن کے مطابق مرد جسمانی طور پر زیادہ مضبوط، زیادہ دانش مند، نسبتاً کم جذباتی اور کم توہم پرست ہوتا ہے اور اس بنا پر وہ خدا کے خلیفہ اور نائب ہونے کا اعزاز رکھتا ہے اور کتب سماوی اس کو عورت کے برعکس متعدد شادیاں کرنے کی اجازت دیتی ہیں۔وہ مرد اور عورت کی مکمل مساوات کے قائل ہیں بلکہ وہ عورت کی مرد پر فوقیت کے حامی ہیں۔ان کے نزدیک سورہ النساء کی آیت ۳۴ میں قوامون اور فضل کے الفاظ کے تناظر میں عورت کے مقابلہ میں مرد کے تفوق کی کلاسیکی تاویلات قرآن کی صحیح ترجمان ہونے کی بجائے ان ادوار کے مروجہ قوانین کی آئینہ دار ہیں۔آیت کا مفہوم یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ عورتیں ان مردوں پر فوقیت رکھتی ہیں جو ان کے لیے کام کرتے ہیں۔(۹۲) ممتاز علی کے خیال میں حوا کے مقابلہ میں آدم کی تخلیقی اولیت اور استحقاقی فوقیت یہودی اور عیسائی عقیدہ ہے نہ کہ قرآنی۔تعدد ازدواج کو قرآن نے شرطِ عدل کے ذریعہ ناممکن العمل بنا کر منسوخ کردیا ہے۔(۹۳) عورت کی آزادی سے معاشرے کے اخلاقی معیارات کے ڈھیلے ہوجانے کے خطرہ کا واویلا کیا جاتا ہے حالانکہ خدا نے عورت کو آزاد اور مساوی درجہ پر پیدا کیا ہے۔بداخلاقی کا تعلق عورت کی آزادی کی بجائے مرد کے مسخ شدہ جذبات سے ہے۔عورت اور مرد کی علیحدگی کے عادی معاشروں کو مخلوط معاشروں کے اخلاقی معیارات پر پورا اترنے کے لیے وقت چاہیے۔(۹۴) سرسید کے ایک اور نامور معاصر ہم خیال سید امیر علی ہیں۔یہ مولانا حالی کے مطابق مغربی اہل الرائے سے اسلام کی عذر خواہیوں اور توضیحات میں اور اسلامی معاشرتی اور مذہبی خیالات کی از سرنو تعمیر اور جدید خیالات کی ترویج میں سرسید احمد خاں کے پیرو تھے۔(۹۵) ان کی مشہور تصنیف The Spirit of Islam نے صرف مغرب ہی میں قبولیت عامہ حاصل نہیں کی بلکہ برصغیر اور مصر کے مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں پر بھی گہرے اثرات ڈالے۔(۹۶) سید امیر علی نے اپنی اسلامی تعبیرات میں استشراقی اور مغربی تصورات سے ہم آہنگی کی جابجا کوشش کی ہے۔فرشتوں اور شیطان کا خارجی وجود اور حشر جسمانی کو تسلیم کرنے سے بچنے کے لیے انہوں نے ان چیزوں سے متعلق قرآنی بیانات کو بلا جھجک شاعرانہ اسلوب بیان اور حضورؐ کے دینی شعور کے درجۂ کمال سے پہلے کے اور زرتشتی و تلمودی الاصل تصورات سے تعبیر کیا ہے۔سورہ الانفال کی آیت ۹ میں بیان کردہ واقعہ کو اسلوب بیان کی

ساحری اور شاعرانہ بلاغت سے تعبیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "فرشتوں کے خدا کی طرف سے جنگ کرنے کے تصور میں جو شاعرانہ عنصر ہے اس کے نقش ونگار کو قرآن میں موئے قلم کی جن سادہ جنبشوں سے ابھارا گیا ہے وہ خوبصورتی اور بلاغت میں زبور کی بلیغ ترین عبارتوں کا مقابلہ کرتی ہے اور دونوں میں ایک ہی طرح کی شعریت ہے"۔(۹۷) ملائکہ ایک داخلی تصور ہے۔ جن چیزوں کو آج ہم قوانین فطرت کہتے ہیں پرانے لوگ انہی کو فرشتے یعنی آسمانی کار پرداز خیال کرتے تھے۔ شیطان سے متعلق حضورؐ کے اقوال کا تجزیہ کریں تو بھی ایک موضوعی تصور سامنے آتا ہے جسے آپؐ نے اپنے پیروکاروں کے فہم کے مطابق الفاظ کا جامہ پہنایا۔(۹۸) بعض لوگوں کا یہ خیال کہ رسول عربی نے اپنے ماننے والوں سے حسی لذات کی جنت اور عیش وعشرت کے مختلف مدارج کو وعدہ کیا، جہالت اور تعصب کا نتیجہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ درمیانی دور کی سورتوں میں، جب کہ معلم اسلام نے ابھی شعور دینی کا درجۂ کمال حاصل نہیں کیا تھا اور جب کہ اس بات کی ضرورت تھی کہ عقبی اور جزاوسزا کے تصورات کو ایسے الفاظ کا جامہ پہنایا جائے جو سیدھے سادھے بادیہ نشینوں کی سمجھ میں آسکیں۔ جنت وجہنم کے واقعیت نما نقشے، جو زرتشتیوں، صابیوں اور تلمودی یہودیوں کی پادر ہوا قیاس آرائیوں پر مبنی تھے، پڑھنے والے کی توجہ ضمنی حاشیہ آرائیوں کے طور پر اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ لیکن ان کے بعد قرآن کا جوہر خالص آتا ہے یعنی کمال عجز ومحبت سے خدا کی عبادت۔ حوریں زرتشتی نژاد ہیں۔ اسی طرح جنت بھی زرتشتی الاصل ہے البتہ جہنم عذاب الیم کے مقام کی حیثیت سے ایک تلمودی تخلیق ہے۔ ان کے واقعیت نما مناظر کی بنا پر یہ سمجھنا کہ حضورؐ اور آپ کے پیروکاران کو واقعی مبنی برحسیت سمجھتے تھے، محض ایک افترا ہے۔(۹۹) تعدد ازوج کے حوالے سے سید امیر علی کی رائے ہے کہ یہ مطلق العنان بادشاہوں کے زمانے کی یادگار ہے جسے ہمارے ترقی یافتہ دور میں بجاطور پر ایک خرابی سمجھا جاتا ہے۔ قرآن نے فی نفسہ اس کی ممانعت کردی ہے۔ ترقی یافتہ مسلم جماعتوں میں رفتہ رفتہ یہ تصور پختہ ہوتا جارہا ہے کہ یہ چیز تعلیمات محمدی کے بھی اسی قدر منافی ہے جس قدر جدید تمدن وترقی کے۔ لہذا یورپ کو اس سلسلہ میں قدیم مسلم فقہا کی من مانیوں اور مصلحت کوشیوں پر نہیں جانا چاہیے بلکہ جدید اسلام کا تحمل وہمدردی سے مشاہدہ کرنا چاہیے جس میں قدامت پرستی کے بندھنوں سے چھٹکارا حاصل کیا جارہا ہے۔(۱۰۰) ذرا آگے چل کر سرسید کے مکتبہ خیال سے متعلق دونمایاں نام محمد علی لاہوری اور غلام احمد پرویز ہیں۔ محمد علی لاہوری نے مولانا ابوالحسن علی ندوی کے بقول سرسید کے لٹریچر اور ان کے تفسیر قرآن کے اسلوب کو پورے طور پر جذب کرلیا تھا۔(۱۰۱) وہ اپنی تفسیر میں مختلف مسائل سے متعلق اسی طرح کی تشریحات پیش کرتے ہیں جو جدید نظریات ومعلومات سے متصادم

نہ ہوں۔ معجزات وخوارق کا انکار کرتے ہوئے ان کی عقلی تاویلات کرتے ہیں۔ مثلاً بنی اسرائیل کے عبور دریا سے متعلق سرسید کا جوار بھاٹے والا انداز استدلال اپناتے ہوئے اسے ایک عام واقعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔(۱۰۲) موسیٰ کو بارہ چشمے معجزانہ طور پر نہیں بلکہ ایلیم کے ایک پہاڑ سے ملے تھے۔(۱۰۳) سورہ البقرہ کی آیت ۲۷اور۳۷ کے حوالے سے عام مفسرین یہ خیال کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے اپنے چچا کو پوشیدہ طور پر قتل کر دیا تھا اوراس کا راز جاننے کے لیے گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم سے لگانے کے لیے کہا گیا تھا حالانکہ یہ معمولی واقعہ نہیں۔اس میں حضرت عیسیٰ کے قتل کی طرف اشارہ ہے۔ بعضھا کی ضمیر فعل قتل کی طرف جاتی ہے یعنی بعض قتل سے اس کو مار دو یا فعل قتل اس پر پورا وارد نہ ہونے دو۔(۱۰۴) مسیح تین گھنٹے صلیب پر رہے مگر وفات نہیں پائی۔ بعد ازاں طبعی عمر پوری کر کے وفات پائی۔(۱۰۵) مسیح کے کشمیر آنے اور بعد از وفات وہاں دفن ہونے کے شواہد موجود ہیں۔(۱۰۶) حضرت مسیح پیدا بھی معجزانہ طور پر نہیں بلکہ مریم اور یوسف کے صنفی تعلق سے عام بچوں کی طرح ہوئے تھے۔(۱۰۷) سورہ آل عمران کی آیت ۴۹ میں حضرت عیسیٰ کے تخلیق طیر سے استعارۃً ایسے لوگ مراد ہیں جو زمیں اور زمینی چیزوں سے اوپر اٹھ کر خدا کی طرف پرواز کر سکیں۔اور احیائے موتی سے روحانی مردوں کا احیا مراد ہے کیونکہ جسمانی طور پر مر جانے والوں کا اس دنیا میں دوبارہ آنا قرآن کی اصولی تعلیم کے خلاف ہے۔(۱۰۸) حضرت سلیمان کے حوالے سے علمنا منطق الطیر سے پرندوں کی بولیاں جاننا نہیں بلکہ پرندوں کی نامہ بری مراد ہے۔ نملہ کوئی چیونٹی نہیں بلکہ وادی نملہ کی باسی قوم تھی۔ ھدھد پرندہ نہیں بلکہ سلیمان کے محکمہ خبر رسانی کا آدمی تھا۔ عفریت من الجن قوی الجثہ انسان تھا۔ سلیمان کی ماتحتی میں کام کرنے والے جن ان غیر قوموں کے لوگ تھے جنھوں نے بنی اسرائیل کی ماتحتی کا جوا اٹھایا ہوا تھا۔(۱۰۹) غلام احمد پرویز مغربی فکر سے تاثر اور سرسید کے زاویہ فکر کو اختیار کر کے مخصوص تناظر میں اسے مزید وسعت دینے میں خاصے نمایاں ہیں۔ پروفیسر عزیز احمد نے انہیں سرسید سے لے کر لمحہ موجود تک کے تمام جدید پسندوں میں مغربی نقطہ نظر کے سب سے زیادہ قریب قرار دیا ہے۔(۱۱۰) حدیث کی حجیت وثقاہت کے حوالے سے انہوں جس طرح استشراقی فکر سے ہم آہنگی اختیار کی اس کا مختصر ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ لیکن یہ صرف ایک پہلو تھا۔ انہوں نے نہایت وسیع پیمانے پر مغربی نتائج فکر سے تطابق کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں ان کے یہ الفاظ قابل ملاحظہ ہیں کہ ”میں نے انسانی فکر کی اڑھائی ہزار سالہ کدو کاوش کا مطالعہ قرآن کی روشنی میں کیا (یا قرآن کا مطالعہ اس فکر کی روشنی میں کیا) تو قرآن کا ایک ایک دعوی زندہ حقیقت بن کر میرے سامنے آ گیا۔“(۱۱۱) مذکورہ تناظر میں پرویز نے

متعدد موضوعات پر کلام کیا ہے۔ جدید مغرب میں چونکہ کائنات کے عام مشاہد قوانین میں کسی بھی طرح کی ماورائی مداخلت (جس سے خدا کا قادر مطلق ہونا ثابت ہوتا ہے) کو جہالت و وہم پرستی قرار گیا تھا(۱۱۲) چنانچہ پرویز صاحب بھی ایسے تصور کو غلط سمجھتے ہیں جس میں خدا کو اختیار مطلق حاصل ہو اور وہ کسی قاعدے اور ضابطے کا پابند نہ ہو۔ قرآنی الفاظ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَه(۱۱۳) کی تشریح میں پابندی و اختیار کے حوالے سے خدا اور بندے کی مختلف حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بندے پر جو پابندی لگائی گئی ہے وہ اس کے خلاف کر سکتا ہے جب کہ خدا نے اپنے اوپر جو پابندی لگائی ہے وہ اس کے برعکس نہیں کرتا۔''اس اعتبار سے دیکھئے تو انسان صاحبِ اختیار رہتا ہے اور خدا ''مجبور''۔''(۱۱۴) رسول اللہ کو پرویز صاحب نے اپنی تعبیراتِ قرآنی میں نظام حکومت اور مرکزی اتھارٹی کا ہم معنی قرار دیا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے'' حالانکہ نظام سے وابستگی اور اطاعت کا تقاضا ہے کہ ایسی باتوں کو رسول (مرکزی اتھارٹی) یا اپنے افسران تک پہنچایا جائے۔''(۱۱۵) ملائکہ ان کے نزدیک فطرت کی قوتیں ہیں۔ قصہ آدم میں ملائکہ کا آدم کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا جو ذکر ہے، اس سے مراد درحقیقت فطرت کی قوتوں کا بنی نوع انسان کے لیے مسخر کیا جانا ہے۔(۱۱۶) شیطان کوئی موجود فی الخارج ہستی یا شخصیت نہیں بلکہ انسان کے اپنے فیصلوں، ارادوں اور جذبات سے عبارت ہے۔(۱۱۷) جنات سے قرآن کی مراد جنگلی، صحرائی اور خانہ بدوش انسان ہیں۔(۱۱۸) جہنم قرآن کی رو سے کسی گڑھے یا ایسے مقام کا نام نہیں جس میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور مجرموں کو اس میں جھونک دیا جائے۔ بلکہ دراصل یہ انسان ہی کے قلب سوزاں کی کیفیت اور اعمال بد کے نتیجے میں اس کے اندر پیدا ہو جانے والے اضطرابِ پیہم اور کربِ مسلسل کا نام ہے۔(۱۱۹) جنت ایسی مثالوں سے عبارت ہے جو قرآن کے اولیں مخاطب عربوں کے لیے متاثر کن تھیں۔ گھنے باغات جن میں صاف شفاف چشمے ہوں اور ان کا ٹھنڈا پانی چاروں طرف بہہ رہا ہو، درخت پھلوں سے لدے، دودھ اور شہد کی ایسی افراط کہ گویا ان کی نہریں بہہ رہی ہوں، اعلیٰ درجے کے قالین اور صوفے بچھے ہوئے محلات، جن میں حریر و اطلس کے پردے آویزاں، بلوریں آفتابے، چاندی سونے کے ظروف، لطیف گوشت، خوش ذائقہ مشروبات، ہم مزاج، ہم رنگ، یک آہنگ احباب کی محفلیں۔ تپتے ہوئے صحراؤں کے باسی عربوں کی زندگی ظاہر ہے اسی طرح کی مثالوں سے سجائی جا سکتی تھی۔(۱۲۰) انسان اشرف المخلوقات نہیں۔(۱۲۱) آدم سے کوئی خاص انسان یا بشر مراد نہیں۔ قصہ آدم خود نوع انسانی کی سرگذشت ہے۔(۱۲۲) معجزہ قانون فطرت کے خلاف ہے اور قرآن کی رو سے کوئی واقعہ خلاف قانون فطرت رونما نہیں ہو سکتا۔ بنا بریں معجزات کا وجود بروئے قرآن غلط

ہے۔(۱۲۳) چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ایک انتہائی سزا ہے جس کے عملی اطلاق کا موقع قریب قریب ناممکن ہے اور قطع ید سے درحقیقت مراد ایسا طریق اختیار کرنا ہے کہ چور چوری سے باز آ جائیں۔(۱۲۴) تعدد ازواج ایسی شرائط سے مشروط ہے کہ یہ قریباً ناممکن العمل ہو کر رہ جاتا ہے۔(۱۲۵) قرآن نے دراصل ایک وقت میں ایک ہی بیوی کا اصول مقرر کیا ہے۔اگر کسی وقت بیوی سے نباہ کی صورت نہ رہے تو قرآن کی رو سے اس کی موجودگی میں دوسری بیوی کی اجازت نہیں ہاں البتہ اس کی جگہ دوسری بیوی لائی جاسکتی ہے۔ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ (۱۲۶) کا مفہوم یہ ہے کہ ''اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو تو اس کے لیے پہلی بیوی سے معاہدۂ نکاح فسخ کرو۔''(۱۲۷) معیشت کے مسئلے کا حل مارکسی فکر میں پنہاں ہے۔(۱۲۸) رزق کا معاملہ خدا نے اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا۔یہ مذہبی پیشوائیت کی فریب کاری ہے جو عوام کو اس غلط عقیدہ کی افیون دے کر نظام سرمایہ داری کی جڑیں مضبوط کرتی رہتی ہے۔صاحبِ اقتدار گروہ وسائل پیداوار اپنی ملکیت میں لے لیتا ہے اور پھر دوسرے انسانوں کو روٹی کا محتاج بنا کر ان سے اپنا ہر حکم منواتا ہے۔ جب بھوکے انسان اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں تو مذہبی پیشوائیت انہیں یہ کہہ کر سلا دیتی ہے کہ رزق کی تقسیم خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے وہ جسے چاہتا ہے امیر بنا دیتا جسے چاہتا ہے غریب رکھتا ہے جسے چاہتا رزقِ فراواں عطا کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے بھوکا رکھتا ہے کوئی انسان اس فرق کو مٹا نہیں سکتا۔(۱۲۹) مرزا غلام احمد قادیانی سے متعلق بھی یہ کہنا بے جا نہیں کہ انہوں نے سرسید احمد خاں اور ان کے مدرسہ فکر سے شہ حاصل کی۔شیخ محمد اکرام کے مطابق مولوی چراغ علی سے مرزا کی خط وکتابت تھی اور جہاد سے متعلق وہ مولوی صاحب کے ہم خیال تھے۔اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے متعلق انہوں نے سرسید کے خیالات کی پیروی کی۔(۱۳۰) نئی نبوت کی گنجائش بھی اہل تجدد نے فراہم کر دی تھی۔بنا بریں یہ بات ناقابل فہم نہیں کہ مرزا قادیانی نے اس سلسلہ میں انہی کے خیالات سے استفادہ کیا۔تاہم قادیانیت کے ظہور میں نو آبادیاتی نظام اور انگریزوں کا کردار غیر معمولی ہے۔مرزا کا عقیدہ تھا کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ایک کا تعلق خدا سے ہے اور دوسرے کا امن امان قائم کرنے والی حکومت سے۔امن امان قائم کرنے والی حکومت چونکہ اس وقت حکومت برطانیہ ہے لہذا اس سے سرکشی اسلام سے سرکشی کے مترادف ہے۔ان میں انگریز پرستی کا جذبہ اس قدر شدید تھا کہ وہ اس معاملے میں اپنے مخالفین کو احمق ونادان بلکہ حرامی اور بدکار قرار دیتے تھے۔(۱۳۱)

نتیجہ بحث:

اوپر کی بحث سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ مستشرقین نے اہل اسلام کو اپنے دین سے متعلق شکوک

شبہات میں مبتلا کرنے ، تجدد و مغربیت اختیار کرنے اور عہد نو کے تقاضوں کی دہائی دے کر اسلام کو جدید مغربی نقطہ نظر سے ہم آہنگ کرنے پر مائل کرنے کی بساط بھر کوشش کی ہے۔ ان کی یہ کوشش بے نتیجہ نہیں رہی۔ ان کی فکر نے عالم اسلام میں بہت سے لوگوں کے عقل و شعور اور روح و بدن میں نفوذ حاصل کر لیا۔ مسلمانوں میں ایسے بہت سے افراد سامنے آنے لگے جنہوں نے اپنی قوموں کو لفظ و معنی اور حقیقت و شکل ہر اعتبار سے مغربی سانچے میں ڈھلنے کی دعوت دی۔ اسلامی احکامات و تعلیمات سے بیزاری پیدا ہونے لگی یا ان کی ایسی تعبیرات پیش کی جانے لگیں جو مغربی معیارات سے زیادہ سے زیادہ مطابقت رکھتی ہوں۔ یہ لوگ اسلامی عقائد و احکام میں سے ہر اس عقیدہ و حکم کو تاویل کی سان پر چڑھانے یا بدل ڈالنے میں مصروف ہو گئے جو اپنی اصلی شکل میں جدید مغربی یا مغرب سے متاثر ذہن کے لیے قابل قبول دکھائی نہ دیا۔ یوں بقول کینٹول سمتھ یہ معذرت خواہ نہ صرف اپنے بلکہ بہت سے دیگر مسلمانوں کے ایمان و یقین میں انتشار و تزلزل کا سبب بنے۔(۱۱۴) ڈاکٹر رفیع الدین نے تجدد پسندوں کی خواہشِ اجتہاد کی حقیقت واضح کرتے ہوئے صحیح کہا ہے کہ ان کی یہ خواہش بالعموم ان کی اسلام سے محبت کا نتیجہ ہونے کی بجائے الٹا اس سے بیزاری اور دیگر افکار و نظریات سے محبت کا ثمر ہے۔ اجتہاد کی اس خواہش کا مقصد اسلام کی بنیادی و حقیقی باتوں کی دریافت و وضاحت نہیں بلکہ اسے دیگر نظریات کے قریب تر لانا ہے تا کہ ان نظریات کے حامل اور دلدادگان کو مطمئن کیا جا سکے۔ یہ شریعت کے اندر سے فطری ارتقاء کے نتیجہ میں سامنے آنے والا اصلی اجتہاد نہیں بلکہ امکانی حد تک اسلام میں اپنے پسندیدہ دیگر افکار و خیالات کے دخول اور شریعت کے تکملہ کی سعی ہے۔(۱۱۵)

حوالہ جات

1. See,Longman,Published by,Supernatural religion,London,1874,Vol. - II.pp.491-492.
2. See for detail: Kant Immanuel, Religion within the limits of reason alone,New York,1960.
3. Vide, Muier,William,Muhammad and Islam, London ReligionTrackt society,N.D.pp.22-24,Mohammad Khalifa, The Sublime Quran and Orientalism, London & New York, 1983,p.112.
   سر سید احمد خاں، سیرت محمدی، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۷ء، ص ۲۳۲۔۲۳۳۔
4. Watt, W.Montgomery, Muhammad: Prophet and statesman, Oxford University press,1958,pp.14-17.
5. Hume,David, Enquiries concerning the human understanding, edited by L.A.Selly,Bigge 2nd ed;Oxford,1893,p.119.
6. Ibid.p.114.
7. Lawton,J.S.Dr. Miracles and Revelation, London,1959,p.84.
8 Ibid. p. 100.
9. Supernatural Religion,Op.Cit.Vol.II.p.486.
10. Bashir Ahmad Siddiqi,Dr.Professor,Modern Trends in tafsir Litrature-Miracles, Lahore,Facilty of Islamic and Oriental learning, University of the Punjab,1988, p.8.
11. Sale,George, The Koran, New york,1890,p.50.
12. Watt,W.Montgomgery, Encyclopaedia of Religion and Ethics, Op.Cit.p.39, edited by James Hastings, New York,Charles Scribner's Sons,1930, Vol.X,p.540,Brown,Daniel, A New Introduction to Islam, United Kingdom, Blackwell, 2004,p.65, The New Encyclopaedia Britannica, 15th edition,1986,Vol.22,p.9, Bell,Richerd,Introdution to the Quran, Edinburgh, At the University press,1963,pp.161-163.
13. Jeffery, Arthur,Muhammad and his religion, Indiana Polus,1979,p.47.
14 Idem, Materials for the history of the texst of the Quran,Leiden, E.J.Brill.1937,pp.3-10.

15. Palmer,E.The Koran with an Introduction by R Nicholson,London, Oxford University press,1928,p,53.

۱۶۔ رحمت اللہ کیرانوی، بائبل سے قرآن تک (مترجم، اکبر علی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم، ۱۳۸۹ھ، جلد دوم، ص ۳۶۵۔

17. Goldziher, Ignaz,Muslim Studies,Translated by C.R.Barber and S.M.Stern,Chicago;IL Aldine Publishing.1973.Vol.II,18, Guillaume, Alferd, The Traditions of Islam,Beirut,Khayats,1960,p.15.

18. Tor Andrae, Muhammasd, The man and his faith,translated from German by Theophil Menzel, London,George Allen and Unwin,1956, pp.143,191.

19. Muir, William, Op.Cit.p.47, Watt,W,Montgomery,Op.Cit.p.14,Gib, H.A.R, Mohammemanism,London,Oxford,1964, p,25. Muir, William, Op,Cit.p.126.20.

21. Tor Andrae, Op.Cit.p.147,Sale,George,Op.Cit.p.38,Watt,W. Montgomery,Op.Cit.p.105.

22. Bell, Rcherd,Op.Cit. pp.156-161, Muir,William, The life of London, Smith, Elder & Co.1877, Vol.2.pp.141-145. Mahomet, Watt,W,Montgomery,Op.Cit.p.108.23.

24. Tor Andrae,Op.Cit.p.147,Sale,George,Op.Cit.p.38,Menezes,F.J.L, The life and religion of Mohammad,the Prophet of Arabian Sands,London,1911,pp.63,165,Wollaston,A.N,The Religion of the, Koran, Lahore

25. Sh.Muhammad Asharf,1965,p.27. ,Karachi, Oxford Muhammad at MadinaWatt, W. Montgomery ,University press, 1981,p.277.

26. Mohammad Khalifa,Op.Cit.p.157

27. Shacht,J.Introduction to Islamic Law, Oxford, 1964,p.202.

28. Coulson,N.J. Conflicts and tentions in Islamic Jurisprudence, London,The University of Chicago press,N.D.p.78,Encyclopedoia of Crime and Justice,New York, The free press,1983,Vol.1,p.194.

29. The new Encyclopaedia Britannica,Chicago,1986,Vol.18, pp.996-997.

30. Kenneth Cragg, The call of Minaret, New York, Oxford University

press,1956, p.17.

31. Idem, Islamic Surv'eys-3: Counsels in contemporary Islam, Edinburgh, Edinburgh University press,1965,p.107.

32. Idem, The Dome and the Rock: Jerusalem Studies in Islam, S.P. C. K; London, 1964,p.135.

33. Hitti, Philip. K, Islam and the West, New Jersey, 1962, p.21.

۳۴. Smith, Welfred Cantwell, Islam in Modern History, New Jersey, Princeton University press, 1957, pp.178,204.

35. Ibid.pp.273,274.

36. Goitien, S. D.Jews and Arabs: Their Contacts through the ages, New York, Schockan books,1955,pp.129-130.

37. Nadave Safran, Egypt in Search of Political Community: An Analysis of the Intellectual and political evolution of Egypt:1804-1952. Cambridge, Havard University press,1961,p.80.

38. Ibid,pp.95-97

39. Vide, Muhammad Imran Moulana, Distortions about Islam in the West, Lahore. Malik Siraj & Sons,1979,p.13.

۴۰۔ اسلامی تاریخ وتہذیب سے متعلق استشراقی تحریروں کے مبنی بر تعصب وعناد ہونے کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود بہت سے مغربی زعماء اور اہل قلم نے اس ضمن میں استشراقی تحریروں کو مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کے تسلسل کا نام دیا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو: السباعی، محمد مصطفیٰ، ڈاکٹر، السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی، القاہرہ، مکتبہ دارالعروبہ شارع الجمہوریہ، ۱۹۶۱، ص ۳۲، Loon Handrik Van, Tolerance,New York,The Sun Dial press, 1939, p.114.

41. Wright, Thomas, Early Christianity in Arabia, London, 1855, p,152.

42. Hitti, P. K. History of the Arabs, London , Macmillan, 1968, p.147. مذکورہ حوالے سے J.J.Saunders: بھی ہٹی کا ہمنوا ہے دیکھئے Saunders,J. J, A history of Medievel Islam, London, Routledge and Kegan Paul,1965,p.14.

۴۳۔ حامدی، خلیل احمد (مرتب)، نظام اسلام مشاہیر اسلام کی نظر میں، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۶۳، ص ۴۵۲۔

۴۴۔ ابو الحسن علی ندوی، مولانا، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، کراچی، مجلس نشریات ص ۲۶۵۔۲۶۶۔

45. Maryam Jameelah, Islam and Modernism, Lahore, 1977, p.239.

46. Ziya Gokalp, Turkish Nationalism and Western Civilization, New York, 1959, pp. 60,271,302.

47. Armstrong, H.G, The Gray Wolf, New York, Capricon books, 1961, pp.199-200.

48. Irfan Orga Margarate, Ataturk, London, 1962, p.273

49. Ibid. pp.237,238,297.

50. Ibid.p.280.

ترکوں کو اپنی اسلامی شناخت سے دور ہٹانے، اسلامی اتحاد کو ضرب لگانے کے خاطر انہیں اپنی اصلی قومیت کا احساس دلانے کے لیے، جس کا دارامدار نسل اور مادری زبان پر ہے، اور انہیں یہ باور کرانے کے لیے کہ وہ ترک پہلے ہیں اور مسلمان بعد میں، مستشرقین کی کاوشیں کلیدی کردار کی حامل ہیں۔ ان استشراقی کوششوں کے قدرے تفصیلی مطالعہ کے لیے مثال کے طور پر دیکھئے: اکمل ایوبی، ڈاکٹر، مستشرقین اور تاریخ ترکی، در، ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۸۳ء، ص ۲۵۱۔۲۶۰۔

۵۱۔ عالم اسلام کے حکمران طبقہ کے استشراقی و مغربی فکر سے تاثر کے نتیجہ میں تجدد و مغربیت کی طرف راغب ہونے سے متعلق یہ نکات مولانا ابوالحسن علی ندوی کی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، سے اخذ کیے گئے ہیں۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوں مذکورہ کتاب کے صفحات ۱۶۲۔۲۲۵۔

52. See for detail; Smith, Wilferd Cantwell, Op.Cit .pp.55-73.

53. Jafri, Fareed S," The Need for a Re-evaluation of Islam in Pakistan",the Pakistan times Lahore, August 11,1967.

54. Fyzee, Asaf A, A Modern Approach to Islam, Bombay, Asia publishing House, 1963, p.107.

۵۵۔ طہ حسین، ڈاکٹر، مستقبل الثقافة فی مصر، قاہرہ، ۱۹۳۸ء، ص ۳۱۔۴۴۔

۵۶۔ وہی مصنف، الادب الجاهلی، قاہرہ، ۱۹۲۷ء، ص ۶۵۔۶۸۔

۵۷۔ چارلس سی آدم، اسلام اور تحریک تجدد مصر میں (مترجم، عبدالمجید سالک)، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۲۔ ص ۳۷۰، ۳۷۳، ۳۷۴۔

58. Fazlu-Rahman, Dr, What is Islamic Culture?, The Light, Lahore, March 24,1973, p.5.

59. Idem, Weidenfield and Nicholson, London, 1996, p.16.

60 Ibid.p.36.

61. Muhammad Asad, Islam at the Cross Roads, Lahore, Arafat Publications,1955,pp.112-130.

62. Fazlu-Rahman, Dr,Weidenfield and Nicholson,Op.Cit. p.14.

63. Ibid. p.56.

۶۴۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد چہارم، لاہور، ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۸۱ء، ص ۳۴۳۔۳۵۳۔

۶۵۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے 'السنة و مکانتها فی التشریع الاسلامی' میں ایسے متعدد افراد کا ذکر کیا ہے جو گولڈ زیہر کے دام ہم رنگ زمیں کا شکار ہو کر حدیث سے بے اعتنائی برتنے لگے۔ مثال کے طور پر دیکھیے مذکورہ کتاب، حوالہ مذکور، ص ۲۸۔

۶۶۔ چارلس سی آدم، حوالہ مذکور، ص ۳۹۸۔

۶۷۔ ایضاً، ص ۱۹۹۔۲۰۰۔

۶۸۔ ایضاً، ص ۲۰۱۔۲۰۲۔

۶۹۔ مفتی محمد عبدہ، تفسیر سورہ العصر، قاہرہ، ۱۹۲۶ء، ص ۱۹۔

۷۰۔ وہی مصنف، تفسیر جزء عم، مطبع مصر، ۱۳۴۱ھ، ص ۱۵۸۔

71. Kerr, Malcolm H, Islamic Reforms: The Political and Legal theories of Muhammad Abduh and Rashid Rida, Cambridge, University press, 1961, p.105.

72. Ibid. p. 106.

۷۳۔ رشید رضا، تفسیر المنار، جلد ششم، قاہرہ، ۱۳۷۵ھ، ص ۵۶۲۔

۷۴۔ وہی مصنف، تفسیر المنار، جلد دوم، ۱۳۶۷ھ، ص ۳۰۔

۷۵۔ وہی مصنف، تفسیر سورہ یوسف، قاہرہ، ۱۹۳۶ھ، ص ۱۲۰، تفسیر المنار، جلد اول، قاہرہ، ۱۳۷۳ھ، ص ۳۱۵۔

76. Hourani, Albert, Arabic Thought in the Liberal age, Oxford University press, 1962, pp. 168-169.

۷۷۔ قاسم امین، تحریر المرأة، قاہرہ، ۱۸۹۹ء، ص ۱۶۹۔

۷۸۔ وہی مصنف، المرأة الجدیدہ، قاہرہ، ۱۹۰۰ء، ص ۱۸۵۔۱۸۶۔

۷۹۔ علی عبدالرزاق، الاسلام و اصول الحکم، قاہرہ، ۱۹۲۵ء، ص ۸۴۔۸۵۔

۸۰۔ مثال کے طور پر دیکھیے: طنطاوی جوہری، الجواهر فی تفسیر القرآن، جلد اول، بیروت، ۱۹۹۱ء، ص ۱۶۱۔۲۲۴، چارلس سی آدم، حوالہ مذکور، ص ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۵۔

۸۱۔ سید عبداللہ، سرسید احمد خاں اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء، ص ۳۰۔۳۲۔

۸۲۔ ٹرول، ڈاکٹر سی ڈبلیو، سرسید احمد خاں: فکر اسلامی کی تعبیر نو (مترجمین، ڈاکٹر قاضی افضل حسین اور محمد اکرام چغتائی)، لاہور، القمر انٹر پرائزز، ۱۹۹۸ء، ۲۰۶۔۲۰۷۔

۸۳۔ تفسیر القرآن مع اصول تفسیر، لاہور، دوست ایسوسی ایٹس، ۱۹۹۵ء، ص ۱۰۷۵۔۱۱۹۷۔

۸۴۔ ایضاً، ص ۱۴۷۔۱۶۲، ۳۹۹، ۴۱۳، ۴۲۶، ۴۲۷۔

۸۵۔ ایضاً، ص ۵۸۰۔

۸۶۔ ایضاً،ص۹۰۔۹۲،۵۶۵۔۵۷۸۔

۸۷۔ ایضاً،ص۱۰۶۔۱۰۸،۱۱۷،۶۱۳۔۶۲۵۔

۸۸۔ ایضاً،ص۱۲۴۔

۸۹۔ حالی،مولانا الطاف حسین،حیات جاوید،لاہور،ھجرہ انٹرنیشنل،۱۹۸۴ء،حصہ اول،ص۲۳۱۔

90. Chriragh Ali, The proposed political, legal and social reforms in the Ottoman Empire and other Muhammdan States, Bombay, 1883, pp.10-12.

91. Ibid.pp.112-113.

۹۲۔ ممتاز علی،حقوق نسواں،لاہور،۱۸۹۸ء،ص۵۔۷۔

۹۳۔ ایضاً،ص۷۔۳۷۔

۹۴۔ ایضاً،ص۴۴۔۹۴۔

۹۵۔ حالی،مولانا الطاف حسین،حیات جاوید،حوالہ مذکور،ص۱۶۳۔

۹۶۔ احمد امین،زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث،قاہرہ،۱۹۴۸ء،ص۱۳۹۔۱۴۵۔

۹۷۔ امیر علی،سید،روح اسلام (مترجم،محمد ہادی حسین)،لاہور،ادارہ ثقافت اسلامیہ،۱۹۹۲ء،ص۱۵۲۔

۹۸۔ ایضاً،ص۱۵۳۔۱۵۴۔

۹۹۔ ایضاً،ص۳۲۶۔

۱۰۰۔ ایضاً،ص۳۵۸،۳۶۸،۳۷۰،۳۷۱۔

۱۰۱۔ ابوالحسن علی ندوی،مولانا،قادیانیت: مطالعہ و جائزہ،کراچی،مجلس نشریات اسلام،۱۹۸۱ء،ص۱۸۰۔

۱۰۲۔ محمد علی لاہوری،بیان القرآن،لاہور،احمدیہ انجمن اشاعت اسلام،جلد اول ۱۳۷۷ھ،ص۶۲،جلد دوم،ص۱۲۴۴،جلد سوم،۱۳۴۲ھ،ص۱۳۹۱۔۱۳۹۲۔

۱۰۳۔ ایضاً،جلد اول،ص۶۹۔۷۰۔

۱۰۴۔ ایضاً،ص۷۸۔۷۹۔

۱۰۵۔ ایضاً،ص۳۳۱۔۳۳۲،۳۳۴،۳۹۹،۵۷۵۔۵۷۶،جلد دوم،ص۷۳۸،۱۲۶۲۔

۱۰۶۔ ایضاً،جلد اول،ص۳۱۰،جلد دوم،ص۱۳۲۳۔

۱۰۷۔ ایضاً،جلد اول،ص۳۱۴۔۳۱۵۔

۱۰۸۔ ایضاً،ص۳۲۰۔۳۲۶۔

۱۰۹۔ ایضاً،جلد سوم،۱۴۰۸۔۱۵۳۶۔جلد دوم،ص۱۲۷۸۔

۱۱۰۔ عزیز احمد،پروفیسر،برصغیر میں اسلامی جدیدیت (مترجم،ڈاکٹر جمیل جالبی)،لاہور،ادارہ ثقافت اسلامیہ،۱۹۸۹ء،ص۳۲۲۔۳۲۳۔

۱۱۱۔ پرویز،غلام احمد،انسان نے کیا سوچا،لاہور،طلوع اسلام ٹرسٹ،۱۹۹۱ء،ص۱۵۔

112. Longman,Green & co;Pub.by,Supernatural Relegion, London,1874,Vol.II.p.480.

۱۱۳۔ الانعام۶:۱۲۔

۱۱۴۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ، جلد پنجم، ص۱۲۔

۱۱۵۔ ایضاً، جلد چہارم، ص۳۸۴۔

۱۱۶۔ ایضاً، جلد دوم، ص۶۷۔۷۰۔

۱۱۷۔ ایضاً، ص۵۰۔۵۲۔

۱۱۸۔ ایضاً، ص۴۱۔۴۲۔

۱۱۹۔ ایضاً، جلد اول، ص۳۲۷۔۳۲۸۔

۱۲۰۔ ایضاً، ص۳۳۳۔۳۳۴۔

۱۲۱۔ ایضاً، جلد دوم، ص۴۱۔

۱۲۲۔ ایضاً، ص۶۲۔

۱۲۳۔ ایضاً، جلد چہارم، ص۹۳۔

۱۲۴۔ ایضاً، ص۵۰۳۔۵۱۰۔

۱۲۵۔ ایضاً، جلد سوم، ص۳۴۸۔

۱۲۶۔ النساء۴:۲۰۔

۱۲۷۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد سوم، ص۳۴۶۔

۱۲۸۔ ایضاً، جلد اول، ص۱۱۵۔۱۱۶۔۱۳۲۔

۱۲۹۔ ایضاً، ص۱۰۷۔

۱۳۰۔ محمد اکرام، شیخ، موج کوثر، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۲ء، ص۱۷۸۔

۱۳۱۔ قاضی جاوید، سرسید سے اقبال تک، لاہور، تخلیقات، ۱۹۹۸ء، ص۹۳۔

114. Smith, Wilfred Cantwell, Op.Cit.p.122.

115. Rafi-ud-din,Dr,"The task of Islamic Research",The Pakistan times, Lahore,August 2, 1963.